بسم اللہ الرحمن الرحیم

Dt:12 Sep 2009

شاہد حسین نمبر: ۹

اللہ تعالیٰ کی نظر میں دائیں بازو کے لوگ

احمدی بھائیوں کے نام: السلام وعلیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امابعدہ گزارش ہے کہ راقم اس مرتبہ عنوان بالا پر آپکی خدمت میں سیدنا حضرت ایوب احمدیت مرزا رفیع احمد مجدد و مرسل صدی پندرہ کی بیان فرمودہ تفسیر سورۃ المدثر کا ایک جزا رسال کر رہا ہے جو کہ آپ نے ۱۹۸۰ء کے قریب رقم فرمائی تھی۔ آپ کا بیان فرمودہ یہ مضمون روحانی، اخلاقی، معاشرتی اور سیاسی اعتبار سے ایک مستقل حقیقت ہے اور کلام اللہ کے شرف کا شرح وبسط سے اظہار۔ انشاءاللہ آپ اس مضمون کو زندہ قرآن پر اپنے ایمان اور عرفان میں اضافہ کا موجب پائیں گے۔

والسلام۔

خاکسار چوہدری غلام احمد۔ معتمد ایوب احمدیت ومحمود ثانی۔

تفسیر سورۃ المدثر آیت ۳۹ - ۴۰ كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ رَهِينَةٌ إِلَّا أَصْحَابَ الْيَمِينِ

آیت ۳۹ كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ رَهِينَةٌ فرمایا ہر انسان اپنے اعمال کا ذمہ دار ہے اور انکے لئے جواب دہ ہے۔ پہلی آیت میں بیان فرمودہ مضمون ہی کو دوسرے الفاظ میں بیان کیا ہے تا کہ کوئی انسان اس غلط فہمی میں مبتلاء نہ ہو کہ چونکہ فرمایا تھا کہ

كَذَٰلِكَ يُضِلُّ اللَّهُ مَن يَشَاءُ وَيَهْدِي مَن يَشَاءُ اللہ تعالیٰ اس طرح سے یعنی امتحان لیکر جسکو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جسکو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اسلئے انسان کی کوئی ذمہ داری نہیں اور اسکا کوئی اختیار نہیں فرمایا کہ نہیں اللہ تعالیٰ کی مشیت سب پر حاوی ہے لیکن اسکی مشیت کے اندر رہتے ہوئے اور اسکے ماتحت انسان کو بھی صاحب اختیار بنایا گیا ہے اور ہر انسان اپنے اعمال کیلئے جواب دہ ہے۔ غرض مضمون کی اہمیت کے مدنظر اس بات کو مختلف اسالیب سے واضح کیا گیا ہے کہ انسان صاحب اختیار ہے ذمہ دار ہے اور اسکو جواب دہی کرنی ہوگی۔ چونکہ اسکے بعد إِلَّا أَصْحَابَ الْيَمِينِ کا استثناء ہے اسلئے بعض لوگوں کو اس آیت کی تشریح میں مشکل پیش آئی ہے کہ جواب دہ تو ہر انسان ہے اسلئے بعض نے تو اسکا حل یوں نکالا ہے کہ مَا كَسَبَ ، كَسَبٌ سے مراد بداعمال ہیں لیکن یہ تشریح لغت کے مطابق نہیں اور نہ ہی قرآن کے استعمال کے مطابق ہے کیونکہ كَسَبٌ کا لفظ عام ہے اور كَسَبٌ کے وہی معنی ہیں جو ہم اردو میں بھی استعمال کرتے ہیں یعنی اصل کے لحاظ سے اسکے معنی کمائی کے ہوتے ہیں کہتے ہیں کسب مالا او علماً طلبہ ورَبح بہ علم حاصل کرنا یا مال حاصل کرنا اور اس سے فائدہ اٹھانا۔ اسلئے كَسَبٌ کے لفظ سے تو یہ مشکل حل نہیں ہوتی اسلئے رَهِينَة کے لفظ پر غور کرنا چاہئے اس سے مشکل حل ہو جاتی ہے اور معنی بغیر کسی اشکال کے واضح ہو جاتے ہیں۔ رَهِينَة اسم ہے یعنی وہ چیز جو کسی کے پاس بطور عوض رکھی جائے اسطرح سے یہ گویا تمثیل ہے کہ جسطرح ایک انسان کسی سے کچھ رقم لیتا ہے اور اسکے بدلے میں کوئی

چیز اسکے پاس گرو رکھ دیتا ہے اسی طرح سے انسانی ذمہ داری کا یہ حال ہے کہ انسان کی جان اپنے اعمال کے بدلے میں گرو ہے جب تک وہ توبہ کے ذریعہ اور نیک اعمال بجالا کر اپنا حساب بے باک نہیں کر دیتا وہ گرو رہے گا یا پھر اعمال کی سزا بھگتے گا۔ دونوں صورتوں میں گرو کی صورت ہے۔ أَصْحَـٰبَ ٱلْيَمِينِ ایمان کے ذریعہ اور توبہ اور استغفار اور نیک اعمال کی برکت سے خدا تعالیٰ کا فضل حاصل کرتے ہیں اور اسطرح اپنی جان کو رہن سے نکال لیتے ہیں لیکن دوسرے لوگ ایسا نہیں کرتے تو گویا انکے ذمہ قرض واجب ہے جو انکو سزا کے ذریعہ ادا کرنا ہوگا۔ روح البیان کے مصنف فرماتے ہیں کہ أَصْحَـٰبَ ٱلْيَمِينِ کا استثناء من کُل نفسٍ سے استثنائے متصل ہے اور أَصْحَـٰبَ ٱلْيَمِينِ سے مومنوں میں سے صالح اعمال بجالانے والے مراد ہیں اور مطلب یہ ہے کہ انھم فاکّون رقابھم بما احسنوا من اعمالھم کما یفک الراھن باداء الدین کہ درحقیقت رہن تو دونوں ہی ہیں لیکن أَصْحَـٰبَ ٱلْيَمِينِ کا استثناء ان معنوں میں ہے کہ وہ اپنے محسن ہونے کی صفت کی وجہ سے اپنی جان کو رہن سے نکلوالیں گے جسطرح کہ ایک قرض دار جب قرض سے سبکدوش ہو جاتا ہے تو وہ اپنی شئے مُرتھنہ چھڑوالیتا ہے۔ ضحاک فرماتے ہیں کل نفس حقیق علیھا العذاب ولا یرتھن اللہ احداً من اصحاب الجنۃ کہ مطلب یہ ہے کہ ہر انسان ہی عذاب کا مستحق ہے لیکن اللہ تعالیٰ اہل سعادت اور مومنوں کو اپنے فضل سے مستثناء کر دے گا اور خدا کا فضل گویا انکی طرف سے عذر خواہ ہوگا۔ یہ معنی بھی بہت عمدہ ہیں اس میں انہوں نے یہ بتایا ہے کہ دراصل نجات فضل پر مبنی ہے لیکن أَصْحَـٰبَ ٱلْيَمِينِ کے نیک اعمال اور انکی نیک نیت کی برکت سے خدا تعالیٰ انکی نجات کے سامان فرمائے گا اور ان سے کسی قسم کو مواخذہ نہیں کرے گا۔

نیز رَهِينَةٌ کے معنی گرو ہونے کے علاوہ مواخذہ کے بھی ہوتے ہیں کہتے ہیں کہ انا رھینۃ بکذا ای ماخوذ' بہ وضامن لہ ومسئول' عنہ یعنی جب کسی کو رَهِينَةٌ کہا جائے تو اسکے معنی ہوتے ہیں کہ وہ اس بات کیلئے جواب دہ ہے اسکی ذمہ داری ہے جسکو اس نے ادا کرنا ہے اور اس سے مواخذہ ہوگا۔ موقع کے لحاظ سے یہ دونوں ہی معنے لگ سکتے ہیں اگر گرو کہ معنی میں ہے تو ایک تمثیلی بیان ہے کہ انسان کو اللہ تعالیٰ نے صاحب اختیار بنایا ہے اسلئے جب تک وہ اپنا حساب بے باک نہ کرے اور اپنی ذمہ داری پوری نہ کرے اسکی جان رہن رہے گی دوسرے ماخوذ اور ضامن کے معنوں میں لیں تو معنی یہ ہیں کہ خدا تعالیٰ نے انسان کو صاحب ارادہ بنایا ہے اور وہ اپنے اعمال کیلئے ذمہ دار ہے۔ دوسرے حیوانوں کیطرح نہیں کہ بسبب اسکے کہ انھیں عقل اور شعور نہیں دی گئی اور وہ شریعت کے پابند نہیں قرار دئے گئے اسلئے جو چاہیں کریں ان سے مواخذہ نہیں۔ انسان کو اللہ تعالیٰ نے عقل دی ہے شعور دیا ہے شریعت کے ذریعہ ہدایت دی ہے اسلئے اسکو جوابدہی کرنی پڑے گی اور اگر ذمہ داری پوری نہیں کرے گا تو اس سے مواخذہ ہوگا۔ چونکہ اس میں مواخذہ کے معنی بھی ہیں اسلئے أَصْحَـٰبَ ٱلْيَمِينِ کا استثناء کیا یہ بتانے کیلئے کہ أَصْحَـٰبَ ٱلْيَمِينِ اپنی طاقت کے مطابق اپنی ذمہ داریاں ادا کرتے ہیں اور توبہ اور استغفار کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کا فضل طلب کرتے ہیں اسلئے وہ چھڑائے جائیں گے۔ پس كُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا كَسَبَتْ رَهِينَةٌ میں ایک تو انسان کے شرف کا بیان ہے کہ انسان کو اللہ تعالیٰ نے صاحب اختیار اور صاحب اردہ بنایا ہے اور چونکہ وہ آزاد ہے اور اپنے محدود دائرے میں صاحب اختیار ہے اسلئے مسئول بھی ہے اسے جواب دہی کرنے پڑے گی اور اگر وہ ذمہ داری ادا نہیں کرے گا تو اس سے مواخذہ ہوگا اس آیت میں **ورثہ کے گناہ کے باطل عقیدہ کا بھی رد ہے** یعنی انکا جو کہتے ہیں کہ انسان ورثہ کے طور پر گناہگار ہے اور گناہگار کو بخشنے کا نعوذ باللہ، اللہ تعالیٰ کو بھی حق نہیں اسلئے سزا لازمی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے إِلَّآ أَصْحَـٰبَ ٱلْيَمِينِ کہہ کر ورثہ کے گناہ کی نفی کر دی اور بتا دیا کہ توبہ اور استغفار اور نیک اعمال کے ذریعہ توازن اعمال کو درست رکھنے سے انسان خدا کا فضل حاصل کرتا ہے اور نجات پاتا ہے۔

آیت ۴۰۔ إِلَّآ أَصْحَـٰبَ ٱلْيَمِينِ موجودہ زمانہ میں تو دائیں اور بائیں بازو کی اصطلاح بہت عام اور زبان زد ہے لیکن جہاں تک میری تحقیق ہے قرآن کریم سے پہلے یہ اصطلاح کسی کتاب میں مستعمل نہیں تھی چونکہ فی زمانہ یہ اصطلاح بہت عام ہے اسلئے یہ دیکھنا بہت ضروری ہے کہ یہ اصطلاح کن معنوں میں مستعمل ہے

اور آیا قرآن کریم میں ان ہی معنوں میں اسکا استعمال ہے یا مختلف۔

علماء معاشرت اور علماء نفسیات اس بارے میں یہ کہتے ہیں کہ دائیں اور بائیں کا تصوّر ہمیشہ سے انسان میں چلا آیا ہے خواہ معین طور پر یہ اصطلاح استعمال نہ بھی ہوتی ہو مگر بنیادی طور پر چونکہ یہ نفسیات انسانی کے رجحان کیطرف اشارہ کرتی ہے اسلئے ہمیشہ ہی جب سے انسان نے تمدّن کو اختیار کیا اور اپنی زندگی کو ایک نظام کے تحت گزارنے لگا تو دائیں اور بائیں کا تصوّر پیدا ہو گیا۔ بعض علماء نفسیات کہتے ہیں کہ ہر انسان میں ایک رجحان قدامت پسندی کا ہوتا ہے اور ہر انسان میں کچھ نہ کچھ انقلابی اثر یعنی Radicalism بھی ہوتا ہے۔ اسطرح سے انکے نزدیک انسان میں دونوں رجحان ہیں جو رجحان غالب آجاتا ہے اسکے مطابق وہ دائیں اور بائیں بازو کیطرف منسوب ہونے لگتا ہے اور جب سے انسان نے متمدّن زندگی اختیار کی یہ بات اسکے اندر پائی جاتی ہے۔

سیاسی اور معاشرتی طور پر دائیں اور بائیں بازو کی اصطلاح کا تعلق اقتصادیات کے ساتھ قرار دیا جاتا ہے۔ انسانی معاشرہ اقتصادی لحاظ سے تین طبقات میں منقسم قرار دیا جاتا ہے اونچا طبقہ متوسط درجہ اور نچلا درجہ۔ جو لوگ اونچے طبقہ سے یا متوسط طبقہ کے اونچے درجہ سے تعلق رکھتے ہیں چونکہ انکو حقوق و رعایات حاصل ہوتی ہیں اور وہ ان خصوصیات اور رعایات کو جو انکو روایتی طور پر حاصل ہوتے ہیں چھوڑنے کیلئے تیار نہیں ہوتے وہ اسکے لئے تنظیم قائم کرتے ہیں اور آواز اٹھاتے ہیں یہ لوگ قدامت پسند یا دائیں بازو والے کہلاتے ہیں گویا کہ جو لوگ روایتی طریق کو قائم رکھنا چاہتے ہیں اور وہ رعایات اور حقوق جو انھیں حاصل ہوتے ہیں انھیں ترک کرنے کیلئے تیار نہیں ہوتے خواہ یہ رعایات ظالمانہ ہی کیوں نہ ہوں وہ دائیں بازو کیطرف منسوب ہوتے ہیں اور یہ چیز بڑھتے بڑھتے یہاں تک پہنچ جاتی ہے کہ Divine right کا تصور پیدا ہو جاتا ہے کہ بادشاہ یا سردار جو بھی اونچے طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں انکا یہ حق آسمانی ہے اور خدا تعالیٰ کیطرف سے ہے اور کسی کو ان سے اسبارے میں تبدیلی کرنے یا انصاف کے نام پر کچھ حقوق چھوڑنے کا مطالبہ کرنے کا حق نہیں۔ چنانچہ قرآن کریم میں ان لوگوں کے متعلق فرمایا

قَالُوا حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا (سورۃ المائدہ ۱۰۴) اور فرمایا

وَإِذَا فَعَلُوا فَاحِشَةً قَالُوا وَجَدْنَا عَلَيْهَا آبَاءَنَا وَاللَّهُ أَمَرَنَا بِهَا (سورۃ الاعراف ۴۹) یعنی جب انکو حق کیطرف بلایا جائے اور اپنا طریق بدلنے کیطرف توجہ دلائی جائے تو وہ کہتے ہیں کہ کوئی ضرورت نہیں ہمارے باپ دادا کا روایتی طریق ہی صحیح ہے۔ انکو اس سے غرض نہیں ہوتی کہ باپ دادا کا طریق ظالمانہ ہے حق سے دور ہے وہ اس میں تبدیلی کرنے کیلئے تیار نہیں ہوتے کیونکہ اسطرح دوسروں کے حقوق ماننے پڑتے ہیں اور کچھ چھوڑنا پڑتا ہے۔ پھر فرمایا کہ انکا یہ طریق ہے کہ جب فاحشہ کے مرتکب ہوتے ہیں تو سمجھانے پر بجائے شرمندہ ہونے اور اصلاح کرنے کے کہتے ہیں کہ یہ ہماری روایات ہیں اور ہمارا قدیم طریق باپ دادا سے چلا آتا ہے اور اسکی قدامت کو اسکے صحیح ہونے کی علامت اور دلیل قرار دیتے ہیں کہ چونکہ ہمیشہ سے یہ طریق رہا ہے اسلئے ضرور یہی ٹھیک طریق ہے اور خدا تعالیٰ کا مقرر کردہ ہے۔ فرمایا قُلْ إِنَّ اللَّهَ لَا يَأْمُرُ بِالْفَحْشَاءِ أَتَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ۔ اللہ تعالیٰ فَحْشَاءِ کا حکم نہیں دیتا۔ ایسی باتیں جو بری ہوں یا جن میں دوسروں کے حقوق غصب کئے جائیں اللہ تعالیٰ کیطرف منسوب نہیں کی جاسکتیں۔ فاحشہ یا فحشہ عربی میں ہر برے کام کو کہتے ہیں جو اخلاقی اصولوں سے گرا ہوا ہو اور جس میں بخل اور حقوق کا اتلاف ہے نیز بے حیائی اور بدکاری کے کاموں کو بھی فحشہ کہتے ہیں۔ بنیادی طور پر اسکے معنوں میں دو باتیں ہوتی ہیں ایک تو اصول اخلاق کے خلاف ہو دوسرے اس میں بخل ہو یعنی دوسروں کے حقوق کا انکار پایا جائے۔ اسکا ثبوت لغت کے علاوہ یہ بھی ہے کہ سورۃ الاعراف کی اس آیت کے بعد فرمایا قُلْ أَمَرَ رَبِّي بِالْقِسْطِ کہ میرے رب کی تعلیم فحشاء پر مبنی نہیں بلکہ قسط یعنی حقوق کی ادائیگی اور انصاف پر مبنی ہوتی ہے غرض اس آیت میں سیاسی اور معاشرتی طور پر دائیں بازو کے خیالات کا ذکر ہے جو روایتی حقوق کے علمبردار ہوتے ہیں اور اس روایتی طریق کے باوجود ظالمانہ اور غیر منصفانہ ہونے کے، اسکی قدامت کی بناء پر خدائی قانون کے طور پر سمجھتے ہیں۔ اسکے بالمقابل بائیں بازو کا تصوّر یہ ہے کہ وہ لوگ یا معاشرہ کے وہ طبقات جو روایتی طور پر حقوق سے محروم ہوتے ہیں یا انکے پورے حقوق انہیں نہیں مل رہے ہوتے تو وہ سیاسی تنظیموں اور سیاسی پلیٹ فارم کے ذریعہ اپنے حقوق کے مطالبہ اور معاشرہ میں

اورقانون میں بنیادی تبدیلیاں لانا چاہتے ہیں انھیں بائیں بازو کیطرف منسوب کیا جاتا ہے۔ یہ دونوں طریق سیاسی ہیں اورانکو اخلاقی اصولوں سے کوئی مناسبت نہیں جیسا کہ فرمایا يَٰمَعۡشَرَ ٱلۡجِنِّ قَدِ ٱسۡتَكۡثَرۡتُم مِّنَ ٱلۡإِنسِۖ وَقَالَ أَوۡلِيَآؤُهُم مِّنَ ٱلۡإِنسِ رَبَّنَا ٱسۡتَمۡتَعَ بَعۡضُنَا

یعنی اللہ تعالیٰ انسانی معاشرہ میں صاحب حقوق اوراونچے طبقہ کے لوگوں کوفرمائے گا کہ تم نے الانس یعنی کم حیثیت کے لوگوں اورعوام الناس پرغلبہ حاصل کیا اوران سے فوائد حاصل کئے اورعوام میں سے انکے ساتھ تعلق رکھنے والے کہیں گے کہ خدایا ہم میں سے ایک طبقہ نہ دوسرے کا استحصال کیا گویا کہ دونوں طبقات وہ جنہیں يَٰمَعۡشَرَ ٱلۡجِنِّ یعنی اونچے طبقہ کے اورروایتی طور پر حیثیت اوررعایات کے مالک قرار دیا ہے اور دوسرے جوعوام میں ہیں دونوں ہی اللہ تعالیٰ کے نزدیک قابل مواخذہ ہیں کیونکہ دونوں نے ایک دوسرے کا حق مارنے کے کوشش کی۔ دائیں بازو والے ایک لمبا عرصہ حق تلفی کرتے رہے تو جب دوسروں کا موقع آیا تو انھوں نے بھی اپنے نظام کوکسی اصول کا پابند نہیں کیا بلکہ ٱسۡتَمۡتَعَ بَعۡضُنَا بِبَعۡضٖ جسکوموقع ملا اس نے اپنا مفاد حاصل کرنے کی کوشش کی اوراسلئے فرمایا كَذَٰلِكَ نُوَلِّي بَعۡضَ ٱلظَّٰلِمِينَ بَعۡضَۢا دونوں ظالم ہیں اوراللہ تعالیٰ نے یہی طریق انکے لئے رکھا ہے کہ بعض ظالم دوسرے ظالموں پرغالب آ جاتے ہیں اورحاکم بن کرحق تلفی کرتے ہیں۔

غرض دائیں اور بائیں کا تصوّر جوموجودہ زمانہ میں پایا جاتا ہے اسکا اخلاقیات سے کوئی تعلق نہیں بلکہ ہرایک کا مقصد یہ ہے کہ ووٹ کے ذریعہ یا طاقت کے ذریعہ تسلّط اور اقتدار حاصل کرکے اپنے طبقہ کا فائدہ اوردوسرے کا استحصال کرے۔ یہ بھی یادرہے کہ بائیں اوردائیں کی اصطلاح جو میں نے بیان کی یہ مختلف علمائے نفسیات و معاشرت کے خیالات کوسامنے رکھ کرایک قدرمشترک اختیار کیا ہے ورنہ انسان کے دوسرے علوم کیطرح اس علم کے ماہروں میں بھی بے انتہا اختلاف ہے۔ نیز یہ تعریف جوکی گئی ہے یوں بھی پوری طرح منطبق نہیں ہوتی کہ اس میں صرف آزاد معاشرہ کومدنظر رکھا گیا ہے حالانکہ دائیں اور بائیں کا فرق ہرمعاشرہ میں ہوتا ہے یہاں تک کہ اشتراکی نظام اوردوسرے Totalitarion نظاموں میں بھی۔ مثلاً چین میں جو کچھ ثقافتی انقلاب کے نام سے ہوا یہ بھی دائیں اور بائیں ہی کا اختلاف تھا اسی طرح روس میں جوترمیم پسندی کی روچلتی ہے وہ بھی اسی اختلاف کا کرشمہ ہے پھرزاویہءنظر کا بھی فرق ہوتا ہے۔ ایک زاویہ نظر سے ایک نظریہ دائیں بازو کا کہلاتا ہے تو دوسرے زاویہءنظر سے اسکی شکل بالکل مختلف قرار دی جاتی ہے۔ ہم اپنے ہی ملک کی سیاسی نوعیت پر اگرغور کریں تو مثلاً مودودی جماعت جوخالصتاً ایک سیاسی نظریہ ہے اگرچہ لبادہ مذہب کا اوڑھ رکھا ہے ہمارے ملک کے لبرل اور بائیں بازو کے۔ انٹیلی جینسیا کے نزدیک وہ خطرناک طور پر دائیں بازو کی جماعت ہے لیکن جمیعۃ العلماء اور دوسرے قدامت پرست طبقہ کی نظر میں وہ دائیں بازو میں شمار نہیں ہوتے کیونکہ روایتی گدیوں کو وہ بھی قبول نہیں کرتے اسطرح سے یہ اختلاف چلتا چلا جاتا ہے۔

اس سارے بیان سے واضح ہے کہ دائیں اور بائیں کی تعریف میں خواہ کتنا بھی اختلاف ہوایک بات مسلمہ ہے کہ یہ دونوں اصطلاحیں اپنے اپنے حقوق کے مطالبہ پرمبنی ہیں یا یوں کہہ سکتے ہیں کہ ایک طبقہ جتکو قدیم سے روایتی طور پرکوئی حیثیت حاصل ہے خواہ وہ مولوی یا شیوخ یا فیوڈل لارڈ ہوں اوروہ اپنے یہ روایتی حقوق چھوڑنے پر تیار نہیں خواہ یہ حقوق اوررعایات انکو ظلم سے حاصل ہوئے ہوں۔ یہ دائیں بازو والے اوردوسرے جو بنیادی تبدیلیاں لاکر نئے حقوق قائم کرنا چاہتے ہیں بائیں بازو والے کہلاتے ہیں اوراس تعریف اوراس اصطلاح کوقرآن کریم کی اصطلاح سے کوئی بھی مناسبت نہیں۔ قرآن کریم کی اصطلاح میں أَصۡحَٰبُ ٱلۡيَمِينِ وہ ہیں جو اس طریق کے بالکل مختلف طریق اختیار کرنے والے ہیں اور جنکا نظام احکام خداوندی نیت نیتی اوراصول اخلاق پرمبنی ہے۔

قرآن کریم کی اصطلاح کن معنوں میں ہے بعض کہتے ہیں کہ مومن اورمخلص أَصۡحَٰبُ ٱلۡيَمِينِ اور جوانکے بالمقابل ہیں وہ اصحاب الشمال ہیں۔ بعض کہتے ہیں محسن اورمسیءکا جوفرق ہے وہی انکا ہے یعنی اچھے اعمال کرنے والے اورخداداد طاقتوں کا صحیح استعمال کرنے والے أَصۡحَٰبُ ٱلۡيَمِينِ اور بداعمال کرنے والے اصحاب المشاءمہ یعنی نحوست والے ہیں بعض کہتے ہیں کہ اہل سعادت أَصۡحَٰبُ ٱلۡيَمِينِ اوراہل شقاوت اصحاب الشمال ہیں۔ صوفیاء کے نزدیک جو

لوگ سفلی جذبات اور سفلی رجحانات سے پاک ہوکر اپنے نور فطرت کی تکمیل میں مشغول ہیں وہ أَصْحَٰبُ ٱلْيَمِينِ اور مبارک لوگ ہیں اور جو سفلی جذبات اور حیوانی خواہشات کی طرف جھکنے والے اور اپنے نور فطرت کو ضائع کرنے والے ہیں اور اصحاب المشاءمہ یعنی نحوست کے مورد ہیں۔ یہ سب تعریفیں صحیح ہیں لیکن پھر بھی بات پوری طرح واضح نہیں ہوتی اور مضموں کچھ تشنہ رہ جاتا ہے چونکہ یہ معاملہ بہت اہم اور انسانی نجات سے تعلق رکھتا ہے اور عملی اصلاح کیلئے بھی ان اصطلاحوں کی تعریف کا جاننا ضروری ہے اسلئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اسکی تشریح کیلئے قرآن کریم پر مزید غور کیا جائے۔ میرے نزدیک اللہ تعالیٰ نے سورۃ البلد میں اس اصطلاح کو تفصیل سے واضح کیا ہے جس سے یہ معلوم ہوجاتا ہے کہ وہ اقدار اور وہ اصول کیا ہیں جو خدا تعالیٰ اپنے بندوں کے متعلق چاہتا ہے کہ وہ اپنا ئیں اور مبارک وجود یعنی أَصْحَٰبُ ٱلْيَمِينِ میں شامل ہوجائیں۔ اس سورۃ میں اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا ہے کہ انسان کیلئے اللہ تعالیٰ نے روحانی اور اخلاقی اقدار کی ایک بلندی مقرر کی ہے جسکو سر کرنا انسانی نجات کیلئے ضروری ہے اس بلندی کو قرآنی اصطلاح میں العقبہ کا نام دیا گیا ہے۔ اس روحانی بلندی کے حصول کیلئے ہر انسان پر یہ واجب ہے کہ وہ انسانی معاشرہ کو شیطان کی غلامی اور بدعات اور بدرسوم اور ظلم کے بندھنوں سے آزاد کرانے کی کوشش کرے نیز جنکے حقوق پامال ہورہے ہوں جسطرح یتیم اور مسکین ہیں جو خود اپنے حقوق کیلئے آواز اٹھانے کی طاقت نہیں رکھتے انکے حقوق کی نگہداشت تا بمقدور کرے اور انکے حقوق کیلئے آواز اٹھائے پھر فرمایا

ثُمَّ كَانَ مِنَ ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ وَتَوَاصَوْا۟ بِٱلصَّبْرِ وَتَوَاصَوْا۟ بِٱلْمَرْحَمَةِ یعنی اللہ تعالیٰ پر اسکے رسولوں پر اور اسکی تعلیمات پر ایمان لاکر مواصات بالصبر اور مواصات بالمرحمہ کے نظریہ کا حامل اور اس پر عامل ہونا یہ بات انسان کو مبارک بناتی اور اصحاب المیمنہ یا أَصْحَٰبُ ٱلْيَمِينِ میں شامل فرماتی ہے گویا کہ قرآنی اصطلاح مروجہ اصطلاح کے dramatically opposite ہے۔ دنیا کی اصطلاح میں دائیں اور بائیں بازو والے وہ لوگ ہیں جو اپنے اپنے حقوق کیلئے آواز بلند کرتے سیاسی تنظیم قائم کرتے اور قوانین بناتے ہیں لیکن قرآن کی اصطلاح میں أَصْحَٰبُ ٱلْيَمِينِ وہ نہیں جو اپنے حقوق کیلئے آواز بلند کرتے ہیں بلکہ وہ ہیں جو دوسروں پر رحم کرنے دوسروں کے حقوق کی ادائیگی کیلئے آواز بلند کرتے ہیں جنکا نعرہ یہ ہوتا ہے کہ اتقااللہ خدا سے ڈرو اور کسی قسم کا اتلاف حقوق اپنے معاشرہ میں نہ ہونے دو۔ تواصو بالصبر کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنی جان پر رحم کرنے والے اور اپنے حقوق کیلئے مطالبہ کرنے والے نہیں ہوتے بلکہ صبر کرتے ہیں اور صبر کی تلقین کرتے ہیں لیکن تواصو بالمرحمہ کمزوروں اور ناداروں اور یتیموں کے حقوق تلف ہوتے نہیں دیکھ سکتے گویا انکا یہ اخلاقی اصول ہوتا ہے کہ دوسروں کے حقوق کے لئے آواز بلند کرنی ہے جدوجہد کرنی ہے تنظیم قائم کرنی ہے۔ کتنا عظیم الشان فرق ہے دونوں نظریات میں ایک طرف اپنے حقوق کا مطالبہ ہے پرواہ نہیں اگر دوسروں کے حقوق مارے جائیں یتیم تڑپتا رہے بیوہ روتی رہے غریب کے بچے دانے دانے کو ترسیں تو پرواہ نہیں۔ اپنے حقوق اور اپنے طبقہ کے حقوق سے غرض ہے۔ ظاہر ہے کہ اگر کوئی جنت ہے اور یقیناً ہے تو ایسے لوگ اس جنت کو بھی جہنم میں تبدیل کر دیں گے خواہ وہ اس قسم کی تنظیم اسلام کے نام پر بنائیں یا کسی اور ازم کے نام پر۔ اسلامی نظام میں أَصْحَٰبُ ٱلْيَمِينِ نہیں قرار پاسکتے۔ اسلامی اصطلاح میں أَصْحَٰبُ ٱلْيَمِينِ وہ صاحب سعادت اور وہ خوش نصیب ہیں جنکا تعلق محبت کا اور عبودیت کا اپنے مالک سے ہے جو سنّت رسول پر چلتے ہیں اور دوسروں کے حقوق کے مطالبہ کیلئے بہادر جری اور مرد میدان ہیں۔ وہ نہیں جو سڑکوں پر نکل آتے ہیں اور مکانوں اور املاک کو آگ لگادیتے ہیں کبھی دائیں بازو کے نظریات کی حمایت میں کبھی بائیں بازو کی طرفداری میں۔ پس فرمایا **فی جنات** یہ اقدار یہ اخلاقی خوبیاں جنت کا مستحق بنانے والی ہیں۔ ہر عقل یہ تسلیم کرے گی کہ ایسے ہی لوگ دنیا میں جنت کا سماں پیدا کر سکتے ہیں تو عقل بھی گواہی دیتی ہے کہ ایسے ہی لوگ مرنے کے بعد بھی جنت میں جائیں گے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ معاذ اللہ اگر ایسے اصولوں پر کاربند جہنم میں بھی جائیں تو اسے گلزار بنادیں اور انکے مخالف جنت میں بھی جائیں تو اسے جہنم کردیں۔

--------------------تمت--------------------